جناب ارشاد احمد حقانی

مغرب اور اسلام

مسابقت کی دوڑ اور امکانی نتائج

موجودہ صدی کے وسط میں بہت سے مسلمان ممالک سیاسی آزادی کی نعمت سے ہمکنار ہوئے تو ان کے سامنے یہ بہت بڑا سوال حل طلب تھا کہ اپنی اپنی حیات اجتماعی (وسیع تر مفہوم میں) کی تشکیل نو کن خطوط پر کریں۔ اس وقت عالم اسلام اپنے انحطاط کی سب سے نچلی حدوں کو چھو رہا تھا اور اگرچہ بعض ممالک نیم آزادی کی کیفیت کے حامل تھے لیکن عملاً وہ مغرب کی ذہنی اور فکری غلامی کی گرفت میں تھے۔ ۲۰ ویں صدی کے اوائل میں بہت سے اسلامی مفکرین نے اسلام کو ایک نظریہ زندگی کے طور پر پیش کیا اور مسلمان معاشروں کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ اسلام کو ان کی حیات اجتماعی کی بنیاد بننا چاہیے۔ اگر مصر اور مشرق وسطیٰ میں اخوان المسلمون کی تحریک کی بنیاد حسن البناء شہید نے رکھی تو پاک و ہند میں علامہ اقبال اور مولانا مودودی نے اور ان سے پہلے ابوالکلام آزاد نے "اسلام کی طرف مراجعت" کا نعرہ لگایا۔ عین اسی زمانے میں دنیا کے دوسرے بہت سے اسلامی ممالک میں بھی ایسے مفکرین ابھرے جنہوں نے اسلام کی تشریح جدید محاورے اور جدید زبان میں کی۔ ان میں امام خمینی کے علاوہ ڈاکٹر علی شریعتی اور سید قطب شہید اور علامہ اسد نمایاں ہیں۔ ان تمام حضرات کے زیر اثر طاقتور اسلامی تحریکیں ابھریں اور انہوں نے اپنے اپنے علاقوں سے نکل کر دنیا بھر کے مسلمان مفکرین کو بالخصوص متاثر کیا۔ ایک نچلی سطح پر ایک اسلامی تحریک کی بنیاد حال ہی میں وفات پانے والے ڈاکٹر کلیم صدیقی نے رکھی تھی۔ انہوں نے ۱۹۷۳ء میں مسلم انسٹی ٹیوٹ قائم کیا اور اس کا مقصد اسلامی احیاء کے لیے علمی جدوجہد کو قرار دیا۔ ڈاکٹر کلیم صدیقی کو فوت ہوئے قریباً ایک سال ہو چکا ہے۔ ان کی مسلم انسٹی ٹیوٹ قائم ودائم ہے اور ڈاکٹر صدیقی کے نائب ڈاکٹر غیاث الدین صدیقی کی قیادت میں اپنا سفر جاری رکھے ہوئے ہے۔ اپنی وفات سے چند سال پہلے ڈاکٹر کلیم صدیقی نے برطانیہ کی

مسلم پارلیمنٹ قائم کی اور اس کے پلیٹ فارم سے برطانوی مسلمانوں کے مطالبات کو اجاگر کرنا شروع کیا۔ میں کسی اگلے کالم میں اس مسلم پارلیمنٹ کا تفصیلی تعارف کراؤں گا لیکن یہ ادارہ دوسرے کئی میدانوں میں بھی اسلامی فکر کو نمایاں کرنے میں کامیاب رہا ہے۔ چنانچہ اس کے زیر اہتمام آج ۱۹ اکتوبر ۱۹۹۷ء کو لندن میں ایک سیمینار منعقد ہو رہا ہے جس کا عنوان ہے:

The Shifting Balance of Power in the Politics of Islam and the West.

اس کا ذیلی عنوان ہے:

Islam phobia .... The oldest hatred.

اس مذاکرے کا اہتمام وقت کے ایک انتہائی اہم موضوع پر غور و فکر کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔ جیسا کہ مذاکرے کے عنوان سے ظاہر ہے، کئی ملکوں سے تعلق رکھنے والے مفکرین اس مجلس میں اس بات کا جائزہ لیں گے کہ مغرب کی اسلام دشمنی کی حقیقی بنیاد کیا ہے اور حال اور مستقبل میں اسلام اور مغربی تہذیب کے تصادم اور اس کے نتائج کے کیا امکانات ہیں۔ ڈاکٹر غیاث الدین صدیقی نے ازراہ کرم حالیہ سفر کے دوران مجھے اس مقالے کا مسودہ دکھایا جو وہ اس کانفرنس میں پڑھنے والے ہیں۔ میں اپنے قارئین کے فائدے کے لیے اس مقالے کے بعض مباحث یہاں پیش کر رہا ہوں۔

ڈاکٹر غیاث الدین کہتے ہیں کہ آج عالم اسلام اور خود مسلمان اپنی تاریخ کے انتہائی اہم موڑ پر کھڑے ہیں۔ وقت کی غالب تہذیب یعنی تہذیب مغرب اسلامی تہذیب کو تباہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہی ہے لیکن ڈاکٹر صدیقی کے خیال میں مغرب اب اپنے عالمی غلبے کے دور کے ایک ایسے مقام تک پہنچ چکا ہے جہاں اس کے لیے اپنے غلبے کو برقرار رکھنا ممکن نہیں رہے گا۔ اشتراکیت کم از کم فی الحال اپنی موت مر چکی ہے اور اب سرمایہ داری کے زوال کا وقت قریب آرہا ہے۔ اس لیے کہ اشتراکیت اور سرمایہ داری دونوں کے بنیادی فلسفے اور تصورات حیات بالکل ایک ہیں۔ ڈاکٹر صدیقی کہتے ہیں کہ تہذیب مغرب اور اسلامی تہذیب قطعی طور پر ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ مغربی تہذیب سیکولر ہے اور عیسائیت کا نام لینے کے باوجود وہ حقیقت میں مذہب سے اپنا ناطہ توڑ چکی ہے اور وہ اچھی طرح سمجھتی بھی ہے کہ اس کے اور اسلامی تہذیب

کے درمیان کوئی قدر مشترک موجود نہیں۔ جوں جوں اسلام اور مغربی تہذیب کے درمیان کشیدگی میں اضافہ ہو رہا ہے اور مغرب کو یہ بھی اندازہ ہو رہا ہے کہ وہ عالم اسلام پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے میں ناکام ہو رہا ہے تو مغربی ممالک میں موجود مسلم اقلیتیں اس کے غیظ و غضب کا نشانہ بن رہی ہیں۔ اس کی چند مثالیں بوسنیا' چیچنیا' الجزائر وغیرہ ہیں۔ مغرب ہمیشہ اسلامی ممالک کو ان کے وسائل سے محروم کرنے کے لیے اپنی ڈپلومیسی استعمال کرتا ہے جس نے مغرب میں ایک مصنوعی ارفع معیار زندگی برقرار رکھنے میں اسے اب تک کامیابی ہوئی ہے۔ مغرب کو سستا تیل' سستے خام مال اور توانائی کی بعض دوسری سستی شکلیں دستیاب رہی ہیں۔ مغرب کو ترقی پذیر بالخصوص مسلمان ممالک کی منڈیاں بھی حاصل ہیں۔ نیز اسے ایسی سستی تربیت یافتہ لیبر بھی دستیاب ہے جو مسلمان ممالک سے ہجرت کر کے مغرب میں رہائش پذیر ہیں۔ جوں جوں عالم اسلام اور مغربی ممالک کی مسلمان اقلیتیں اپنے آپ کو منوانے کی کوشش میں آگے بڑھ رہی ہیں' مغرب اپنا حقیقی چہرہ بے نقاب کر رہا ہے۔ اس وقت مغرب کو بہت سے میدانوں میں اسلامی دنیا پر فوقیت حاصل ہے اور وہ کئی حوالوں سے ایک بالاتر حیثیت کا حامل ہے۔ لیکن چونکہ اسلامی تہذیب کی بنیاد "حق" ہے اور مغربی تہذیب کی بنیاد "باطل" ہے اس لیے طاقت کے موجودہ عدم توازن کے باوجود اسلامی نظریہ زندگی غالب آ کر رہے گا۔ مغرب نے احیائے علوم کی تحریک کے لیے محرکات ان اسلامی ممالک اور اسلامی مراکز سے حاصل کیے جو صرف چند سو سال پہلے تک دنیا کے غالب علمی اور تہذیبی مراکز تھے۔ اس وقت بدقسمتی سے اکثر مسلمان ممالک میں ایسی حکومتیں برسراقتدار ہیں جو مغرب کے گماشتوں اور ان کے مفادات کے حلیفوں پر مشتمل ہیں۔

مسلمان ممالک کے یہ حکمران طبقے حقیقی اسلامی احیاء کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ اس لیے کہ وہ فکری' عملی' اخلاقی اور مادی حوالوں سے مغربی استعمار سے ابھی تک بہت حد تک منسلک ہیں اور ان کے فلسفے اور اعمال اسلام کی حقیقی روح سے مطابقت نہیں رکھتے۔ پاکستان ان ملکوں میں سے ایک ہے جو ایسے ہی حکمران طبقے کی گرفت میں ہے جو اپنے سابق آقاؤں کا ہر حوالے سے محض اندھا مقلد تو نہیں ہے لیکن پھر بھی آپ نے دیکھا کہ ملکہ برطانیہ کے حالیہ دورہ پاکستان کے دوران ہم نے جواز اور اپنی بساط سے بڑھ کر ملکہ کی پذیرائی کی۔ اور اپنی آنکھیں ان کے راستے میں بچھا دیں۔ حد یہ ہے کہ قومی اسمبلی کے اسپیکر نے ان سے یہ تک کہہ دیا کہ میں آج بھی اپنے آپ کو آپ کی رعایا سمجھتا ہوں اور میرے لیے یہ بڑے فخر کی بات

ہے۔ جناب وسیم سجاد نے جو ویسے تو کھرے اور سچے پاکستانی ہیں' بڑی حسرت سے کہا کہ آپ ہماری ملکہ ہیں اور آپ کے بعد شاید ہمیں کوئی ملکہ نصیب نہ ہو۔ اکثر مسلمان ممالک کے حکمرانوں کا رویہ اپنے سابق استعماری آقاؤں کی ترجیحات کا آئینہ دار ہے لیکن خوش قسمتی سے اب مسلمان عوام میں بیداری اور اسلام کی طرف مراجعت کی ایک نئی لہر چل رہی ہے اور اگر مسلمان دنیا میں کہیں ایک سچا اسلامی معاشرہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو مغرب اور اس کے گماشتے اسلام کے غلبے کو روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔

ماضی میں مغرب اور اسلام یکے بعد دیگرے غالب اور فائق و برتر رہے۔ ایک وقت تھا جب معلوم ہوتا تھا کہ اسلام یورپ پر غالب آجائے گا۔ جب عالم اسلام اپنے عروج پر تھا تو عیسائی یورپ غریب' پسماندہ اور بے وسیلہ تھا۔ عالم عیسائیت چھوٹی چھوٹی سلطنتوں میں بٹا ہوا تھا۔ سیاسی کے علاوہ مذہبی محاذ پر بھی مغرب ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا تھا۔ قریباً" ایک ہزار سال تک سپین عربوں کے غلبے سے لے کر ویانا کے دوسرے محاصرے تک جو ترکوں نے کیا' یورپ اسلام سے مغلوبیت کے "خطرے" سے دوچار تھا۔ یہ بھی امکان پایا جاتا تھا کہ اگر مسلمان غالب آگئے تو دنیائے عیسائیت کا بڑا حصہ اسلام قبول کر لے گا۔ آخر شمالی افریقہ' مصر' شام اور عراق کے کچھ حصے ایک زمانے میں عیسائی مذہب کے ماننے والے تھے اور وہاں عیسائیت کی جڑیں بہت گہری تھیں۔ اسلام کے امکانی غلبے کے خلاف یورپ کا رد عمل صلیبی جنگوں کی صورت میں سامنے آیا لیکن یہ جنگیں اسلام کے غلبے کے لیے کسی بڑے خطرے کی حیثیت نہیں رکھتی تھیں۔ ویانا کے دوسرے محاصرے کی ناکامی اور ۱۶۹۹ء میں ہونے والے معاہدہ امن نے یورپ پر اسلام کے غلبے کے امکانات کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا دیا۔ ۱۹۲۴ء میں جب اتاترک نے خلافت ختم کی تو یوں محسوس ہونے لگا کہ یورپ اب اسلام پر غلبے کے ایک ایسے عمل میں مشغول ہے جس سے عالم اسلام پوری طرح اس کے زیر نگیں آجائے گا۔ انیسویں صدی اور بیسویں کے اوائل میں پانسا بری طرح پلٹا اور اسلام عالم عیسائیت کے مقابلے پر سپر انداز ہو گیا۔ اسلام کا زوال صرف سیاسی نہ تھا بلکہ علمی' اقتصادی اور تہذیبی بھی تھا۔ چونکہ عالم اسلام فکری اور تہذیبی دائرے میں یورپ سے پسماندہ ہو چکا تھا اس لیے وہ ہر گزرنے والے دن کے ساتھ ایک ہمہ گیر یورپی غلبے کا شکار بن گیا۔ یورپ کے عروج کی ابتدا تحریک احیائے علوم سے ہوئی۔ یہ تحریک اصل میں اسلامی علوم اور اسلامی طرز فکر کی مرہون منت تھی۔ اگر یورپ کو اسلامی علوم نہ ملتے اور سائنسی طرز فکر وہ اسلام سے مستعار نہ لیتا تو شاید آج بھی یورپ قرون مظلمہ میں رہ رہا ہوتا۔ تاریخ کی یہ عجب ستم

ظریفی ہے کہ اسلامی افکار اور علوم نے یورپ کو تو نشاۃ ثانیہ کے سفر پر رواں دواں کر دیا جبکہ مسلمان خود فکری جمود اور عملی پسماندگی کی گرفت میں آ گئے۔ اگر اس وقت اسلام عروج پر ہوتا تو کچھ عجب نہیں کہ مغرب تحریک احیائے علوم کے بعد اسلامی تہذیب کے زیر اثر آجاتا۔ اب مغرب کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ اسلام کو کلی طور پر مغلوب کر ڈالے۔ اس کے بعد کے زمانے میں عالم اسلام زیادہ سے زیادہ مغرب کے زیر اثر آتا چلا گیا۔ اب عالم اسلام اگرچہ ایک نشاۃ ثانیہ کے دروازے پر کھڑا نظر آتا ہے لیکن وہ اس وقت تک یورپ کے مقابلے میں ایک بالاتر تہذیبی اور سیاسی قوت نہیں بن سکتا جب تک وہ فکری اور علمی اور فنی دائروں میں نہ صرف یورپ کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں ہو جاتا بلکہ اس سے سبقت نہیں لے جاتا۔ اس صورت حال کو ڈاکٹر غیاث الدین صدیقی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے ..... اس کا ترجمہ یہ ہے:

"اسلام کو اب ایک نیا فکری انقلاب لانا ہوگا۔ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد توقع کی جا سکتی تھی کہ دنیا میں ہتھیاروں کی دوڑ رک جائے گی' ایسا نہیں ہوا بلکہ ہتھیاروں کی تجارت پھیل رہی ہے کیونکہ مغرب کے مخصوص حلقوں کا مفاد تقاضا کرتا ہے کہ دنیا میں کہیں نہ کہیں جنگ کے شعلے بھڑکتے رہیں۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں کا مفاد بھی اسی میں ہے کہ دنیا میں جھگڑے اور تصادم اور رقابتیں جاری رہیں۔ خوش قسمتی سے یورپ میں اس وقت تین کروڑ مسلمان آباد ہیں۔ یہ مسلمان شاید یورپ کو فکری اور اخلاقی تباہی سے بچانے کا ذریعہ بن جائیں۔ لیکن مسلمانوں کے لیے صرف یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ ہمارا دین تمام دوسرے تصورات زندگی اور فلسفہ ہائے حیات سے ارفع ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان فکری اور عملی دائرے میں بھی اپنی برتری ثابت کریں۔"

ڈاکٹر غیاث الدین کہتے ہیں...... اس کا ترجمہ یہ ہے:

"ہمیں جدید دنیا کے لیے ایسے سماجی اور اقتصادی اور سیاسی نظام اور ڈھانچے تعمیر اور پیش کرنے پڑیں گے جو موجودہ اداروں سے برتر ہوں۔ اسلام کو جس فکری انقلاب کی ضرورت ہے' اسے انسانیت کو درپیش مسائل کا حل پیش کرنا ہوگا۔ مغرب میں جو ذہنی اور اخلاقی خلا پایا جاتا ہے اس کی وجہ سے اسلامی تعلیمات کی قبولیت کا ماحول پیدا ہو رہا ہے۔ اسلام اس وقت دنیا پر چھا گیا تھا جب اس نے بہترین سماجی اور سیاسی نظام برپا کر کے دکھا دیا تھا۔ وہ جہاں بھی گیا اس نے وہاں کے عوام کو مظلوم' استحصال زدہ' غیر تعلیم یافتہ' افلاس کا مارا ہوا اور محروم پایا اور ہر جگہ اسلام کو خود غرض اور غیر منصفانہ سماجی نظام ملے۔ اسلام کی بہتر سماجی اور اقتصادی اور سیاسی تعلیمات

مفتوحہ ممالک کے عوام کو بہتر لگیں اور وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔"

عالم اسلام اس وقت ایک دوراہے پر کھڑا ہے اور ایک طرف اس کے اندر فکری نشاۃ ثانیہ کے آثار ہیں تو دوسری طرف یورپ میں بسنے والے تین کروڑ مسلمان روز بروز پہلے سے بڑھ کر اسلام کے سفیروں کا کام کر رہے ہیں۔ یہ تین کروڑ مسلمان یورپ کو اسلام کا پیغام پہنچانے کا ذریعہ بھی بن سکتے ہیں اور خود اپنے اپنے آبائی ملکوں کی ترقی میں بھی ایک کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اسلام کے احیاء کے تمام حالات سازگار ہیں۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ عالم اسلام میں ایک زبردست علمی اور فکری تحریک اٹھے جو انسان کو درپیش مسائل کا یورپ کے مقابلے پر بہتر حل پیش کر سکے۔ ایسی تحریک کے اٹھنے کے امکانات روشن تر ہو رہے ہیں اور کچھ عجب نہیں کہ ۲۱ ویں صدی نہ صرف اسلام کے غلبے کی صدی بن جائے بلکہ وہ دنیا کو ایک بہتر نظام زندگی بھی دے سکے جس میں جسم اور روح دونوں کے تقاضوں کی تکمیل کا سامان ہو۔

میں سمجھتا ہوں کہ ڈاکٹر غیاث کا تجزیہ حقیقت پسندانہ ہے اور اسلام کے احیاء کے تصورات محض خیالی نہیں ہیں۔ آج کے دور کا انسان بہت پرانے تصورات اور تعصبات سے آزادی حاصل کر چکا ہے اور اگر وہ یہ محسوس کرے کہ میرٹس کی بنیاد پر اسلام ایک بہتر فلسفہ زندگی ہے تو دنیا

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

کا منظر بھی دیکھ سکتی ہے۔

(روزنامہ جنگ لاہور ۱۹۔ اکتوبر ۹۷ء)

اردو، عربی اور انگلش میں معیاری کمپوزنگ کے لیے

الشریعہ کمپوزرز گوجرانوالہ

سے رابطہ کیجئے

مناسب نرخ ○ بروقت کام